SHABANA PERVEEN
Asst. Professor, Dept. of URDU
Vaishali Mahila College, Hajipur (B.B.A, Bihar University, Muzaffarpur)

B.A (H) Part II PAPER -IV

TOPIC: URDU KI NASRI DASTANEIN

اردو کی نثری داستانیں

اردو کی پہلی نثری داستان بہ اعتبار زمانہ ملا وجہی کی سب رس (۱۶۳۵ء) ہے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ کی فرمائش پر لکھی گئی یہ تمثیلی مثنوی مقفّی مسجع نثر کا عمدہ نمونہ اور دکنی ادب کا شاہکار تسلیم کی گئی ہے۔ اس کے بعد دکن کے جن نثری داستان کا ذکر کیا جاسکتا ہے اُن میں داستان امیر حمزہ دکنی، ترجمہ طوطی نامہ ابوالفضل، ترجمہ سنگھاسن بتیسی، قصہ بہروز سوداگر، دکھنی انوار سہیلی، قصہ گل و ہرمز، اور قصہ اگر وگل دکنی وغیرہ اہم ہیں۔

شمالی ہند میں جو داستانیں لکھی گئیں اُن میں تاریخی اعتبار سے عیسوی خاں کے ''قصہ مہر افروز دلبر'' (۱۷۳۲ سے ۱۷۵۹ کے درمیان) عطا حسین خاں تحسین کی ''نوطرز مرصع'' (۱۷۷۵)، مہر چند کھتری کی ''نو آئین ہندی'' (۱۸۰۳) اور شاہ عالم ثانی کی ''عجائب القصص'' کو اولیت حاصل ہے۔

اس کے بعد فورٹ ولیم کالج کی داستانوں کا دور آتا ہے، جس میں باغ و بہار، توتا کہانی، آرائش محفل، بیتال پچیسی اور اخلاق ہندی اہم ہیں۔ بالخصوص ''باغ و بہار'' اِس دور کی شناخت ہے جو فارسی قصہ چہار درویش کا ترجمہ ہے۔ اِسے ۱۸۰۲ء میں میرامن دہلوی نے روز مرہ اور بول چال کی زبان میں تحریر کیا۔ اسلوب کی جاذبیت اور مقبولیت کی وجہ سے اس کے اب تک متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

انیسویں صدی میں فورٹ ولیم کالج کے باہر انفرادی طور پر جو داستانیں لکھی گئیں ان میں سے انشاء اللہ خاں انشا کی ''رانی کیتکی کی کہانی'' (۱۸۰۳ء) اور جب علی بیگ سرور کی ''فسانۂ عجائب'' (۱۲۴۰ھ) کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ ''رانی کیتکی کی کہانی'' میں عربی، فارسی یا ترکی کے الفاظ، برج اور اودھی بولیوں اور سنسکرت آمیز ہندی سے پرہیز کیا گیا ہے۔ اردو کی طبع زاد اور مختصر ترین داستانوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ مصنف نے دیسی زبان میں لکھنے کی جو شرط عائد کر لی تھی اس کے سبب سے بعض مقامات پر انداز بیان مضحکہ خیز ہو گیا ہے تاہم برجستہ اور برمحل جملے بھی کم نہیں۔ ''فسانۂ عجائب'' میں مسجع اور مقفّی طرز نگارش کو شعوری طور پر برتا گیا ہے۔ قصہ طبع زاد ہے مگر اس میں کوئی نیا پن نہیں۔ مختلف داستانوں سے اجزاء اخذ کر کے نیا قصہ بنا دیا گیا ہے۔ فورٹ ولیم کالج کے باہر متعدد داستانیں لکھی گئیں مگر مذکورہ دو داستانون کے علاوہ کسی اور کو شہرت دوام حاصل نہ ہوئی۔

شمالی ہند میں داستانون کا دور دورہ تقریباً ایک صدی تک رہا۔ بیسویں صدی کے نصفِ آخر میں ناولوں کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ نذیر احمد نے پہلا ناول لکھ کر داستان کے خاتمہ کا اشارہ کر دیا۔ داستان کے زوال کے اسباب بہت واضح ہیں۔

جب ہندستان میں انگریزوں کی حکومت ہوئی اور انگریزی تعلیم کا رواج ہوا تو قوم کو مغربی علوم اور مغربی خیالات سے واقفیت ہوئی۔ سائنس نے توہمات کا قلع قمع کیا۔اسی دور میں ہماری شاعری میں اصلاح کی جانب قدم اُٹھائے گئے اور آزادؔ و حالیؔ نے نیچرل شاعری کی وکالت کی۔اصلاح کا یہ نزلہ کسی حد تک نثر پر بھی پڑا۔جس طرح لاہور کی انجمن پنجاب تحریک نے بالخصوص شاعری سے سروکار رکھا اسی طرح علی گڑھ تحریک نے اپنے اظہار کے لئے نثر کا جامہ پسند کیا۔سر سیّد نے مذہب، فلسفہ اور معاشرے میں سے روایت پرستی اور تنگ نظری کو ختم کر کے تعقل پسندی اور پیروی مغرب کا چلن چلایا۔سر سیّد کو علمی و اصلاحی مضامین لکھنے کی ضرورت ہوئی تو انہیں سیدھے سادے سائنٹفک اسلوب سے کام لینا پڑا اور اردو میں مضمون نویسی کا آغاز ہو گیا۔

نذیرؔ، حالیؔ شبلیؔ اور آزادؔ بھی میدان میں کود پڑے اور اردو کے دامن کو تاریخ، تنقید، سوانح اور ادب کے شاہکاروں سے بھر دیا۔اِس علمی رجحان نے داستانوں کو بے کار اور متروک قرار دے دیا۔آخر ذہن بیدار ہو چکے تھے۔

اب ایسے ادب کی ضرورت پیش آئی جو غم خوار ہو، ہمدرد ہو۔ ناولوں میں زندگی کے سچے عکس نظر آئے۔ان کے کردار ایران و ترکستان کے نہ تھے۔ان میں قرون وسطیٰ کے رومان نہیں تھے۔ان میں اپنے سماج اور آس پاس کی شخصیتیں تھیں۔جانے پہچانے کردار اور جانے پہچانے مسائل تھے۔ یہ زندگی کی ہر منزل، ہر پریشانی میں کامیاب و کامران نہیں ہوتے تھے۔انہیں دنیا کے غموں سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔نذیر احمد نے قدیم تہذیب کی خوبیوں پر لکچر دیے۔سرشار نے نوابوں کا مذاق اُڑایا۔اہلِ مغرب سے مقابلہ کر کے جدید معاشرت کی برتری دکھائی۔انیسویں صدی کے آخر میں سیاسی بیداری نے لوگوں کو سرگرم کر دیا۔شہروں میں زندگی مصروف ہو گئی۔فرصت کسے کہ طویل داستانیں پڑھ سکے۔اب کسے دماغ کہ امیر حمزہ یا بوستان خیال پڑھ سکے۔ایسے حضرات بڑی مشکل سے ملتے جو داستان پڑھنا چاہتے ہوں۔عام قاری نے داستانون کے بجائے بازاری ناولوں کو ترجیح دینا شروع کر دیا۔بیسیوں صدی کے ذہن کو داستانیں مضحکہ خیز نظر آتی ہیں۔ان کی اہمیت آثار قدیمہ کی سی ہے۔ یہ ہمارے ماضی کا ورثہ ہیں، ہم انہیں بطور یادگار محفوظ رکھتے ہیں۔

اِس اکائی میں ہم نے اردو کی ایک اہم ادبی صنف داستان کی تعریف، فن، اہمیت اور ارتقا پر نظر ڈالی ہے۔اور بتایا ہے کہ داستان تفریح طبع اور دل بہلانے کے لئے لکھی گئی صنف ہے جس میں کہانی کے پیرائے میں مثالی ہیرو اور رفقا کے کارنامے رزم و بزم اور حسن وعشق کی باتیں اور محیر العقول واقعات ایک قابلِ لحاظ طوالت اور زبان و بیان کی لطافت کا خیال رکھتے ہوئے اِس طرح بیان کئے جاتے ہیں کہ زمانی و مکانی دوری کے احساس کے ساتھ ساتھ دلچسپی بھی برقرار رہے۔ داستان کا پلاٹ پیچیدہ، طویل اور قصہ در قصہ ہوتا ہے۔ مافوق الفطری کردار اور فوق فطری واقعات بھی لازمی جزو سمجھے جاتے ہیں۔حسن وعشق کے ذریعہ داستان میں رنگینی اور دلکشی پیدا کی جاتی ہے۔

اردو میں داستانوں کا دور ''مثنوی پدم راؤ کدم راؤ'' سے شروع ہوتا ہے جو ۸۶۵ھ میں لکھی گئی۔ دکن میں مشہور منظوم داستانیں ''قطب مشتری''، ''پھول بن'' اور ''طوطی نامہ'' وغیرہ لکھی گئیں تو نثر میں ''سب رس'' نے بھی لازوال شہرت حاصل کی۔شمالی ہند میں داستانوں کی ابتدا نثری طور پر عیسوی خاں بہادر کے ''قصہ مہر افروز دلبر'' سے ہوتی ہے جبکہ بعد میں نوطرز مرصع، فسانۂ عجائب، باغ و بہار اور رانی کیتکی کی کہانی جیسی داستانیں ایک نئی تاریخ رقم کرتی ہیں۔نثری داستانوں میں شمالی ہند کو دو ایسی مثنویاں ملیں جنھوں نے اردو ادب

میں ایک دائمی مقام حاصل کرلیا۔ میری مراد مثنوی ''سحر البیان'' اور ''گلزار نسیم'' سے ہے جو اپنے اپنے رنگ اور اسلوب میں یکتا اور منفرد مثنویاں ہیں۔

انگریزی، سائنس اور مغربی علوم کی ترویج، سیاسی مصروفیات، وقت کی کمی، ذہنی بیداری وہ اہم اسباب ہیں جنھوں نے داستان کو زوال عطا کیا اور ''ناول'' کو مقبولیت بخشا۔ داستانیں اپنے عہد کی زبان، اسلوب، تہذیب و معاشرت کا مرقع ہیں اور اسی وجہ سے ہمارے ماضی کا قیمتی اَثاثہ بن کر محفوظ ہیں۔

توقع کی جاتی ہے کہ اِس اکائی میں داستان کی تعریف، ارتقا اور زوال کے تعلق سے جن نکات کی نشاندہی کی گئی ہے ان کی تفہیم آسان ہوگی اور خود طلبہ بھی اپنے طور پر اِس اکائی سے متعلق مزید معلومات حاصل کریں گے۔